اِتمامِ نعمت

(۲)

سید ریاض الحسن صاحب ایڈووکیٹ

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو شمارہ مارچ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں سنت کا مطلب وہ سیرت وطریقہ وسلوک ہے جو دین میں موجود ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۸)۔

حافظ ابن رجب رح لکھتے ہیں:۔

فکل من احدث شیئا ونسبہ الی الدین ولم یکن لہ اصل من الدین یرجع الیہ فھو ضلالۃ والدین بریٔ منہ وسواء فی ذلک الاعتقادات او الاعمال او الاقوال الظاھرۃ والباطنۃ واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فان ذلک فی البدع اللغویۃ لا الشرعیۃ (جامع العلوم والحکم ج ۱ ص ۱۹۳)۔ "جس نے بھی کوئی چیز ایجاد کی اور اس کو دین کی طرف منسوب کیا جبکہ اس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ راجع ہو تو وہ گمراہی ہے اور دین اس سے بری ہے۔ برابر ہے کہ وہ ایجاد کردہ چیز اعتقادات ہوں یا اعمال یا اقوال ظاہرہ اور باطنہ۔ رہا سلف کے کلام میں بعض بدعات کے حسن ہونے کا ثبوت، تو ٹھیک ہے، مگر وہ حسن لغوی بدعات میں ہے نہ کہ شرعی بدعات میں۔"

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:۔

اقول انتظام الدین یتوقف علی اتباع سنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۷۰) "میں کہتا ہوں کہ دین کا انتظام صرف اس بات پر موقوف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع کیا جائے۔"

ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

قال الله تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ فلا نحتاج فی تکمیلہ الیٰ امر خارج عن الکتاب والسنۃ (شرح فقہ اکبر ص ۱۰) "اللہ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا ہے۔ اب ہمیں دین کی تکمیل میں کسی ایسے امر کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے جو کتاب وسنت سے خارج ہو۔"

مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:۔

نورِ سنتِ سَنِیّہ را ظلماتِ بدعتہا مستور ساختہ اند ورونق ملت مصطفویہ را کدورتِ امورِ محدثہ ضائع گردانیدہ عجب تر آنکہ جمعے آں محدثات را امور مستحسنہ میدانند وآں بدعتہا را حسنات می انگارند وتکمیل دین وتتمیم ملت ازاں محدثات می جویند ودر اتیان آں امور ترغیبات می نمایند۔ ہداہم اللہ صراط المستقیم۔ مگر نمی دانند کہ دین پیش ازیں محدثات کامل شدہ بود ونعمت تمام گشتہ ورضائے حق تعالیٰ بحصول پیوستہ کما قال اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ پس کمال دین ازیں محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے ایں آیت کریمہ۔ (مکتوبات حصہ چہارم مکتوب ص ۲۶۰) "روشن سنت کے نور پر بدعات کی تاریکیاں چھا گئی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت کی رونق کو نئے نئے امور کی کدورت نے ضائع کر دیا ہے۔ حیرت تو ان لوگوں پر ہے جو ان بدعات اور محدثات کو اچھے امور تصور کرتے ہیں اور ان بدعات کو نیکیاں یقین کرتے ہیں کہ وہ دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم ان بدعات سے تلاش کرتے ہیں اور ان امور کی ادائیگی میں ترغیب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم پر چلائے۔ شاید وہ یہ نہیں جانتے کہ دین ان محدثات سے پہلے ہی مکمل ہو چکا ہے اور نعمت تمام ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اس سے وابستہ ہو چکی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ اب دین کا کمال ان بدعات سے تلاش کرنا درحقیقت اس آیت کریمہ کے مضمون سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔"

۳۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ قال حدثنا ابو النضر یعنی ھاشم بن القاسم قال حدثنا عبد الرحمان بن ثابت قال حدثنا حسان بن عطیۃ عن ابی منیب الجرشی عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبّہ بقوم فھو منھم۔ (ابوداؤد) "عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی ان سے ابو النضر ہاشم بن القاسم نے بیان کی ان سے حسان بن عطیہ نے انہوں نے ابو منیب جرشی سے سنا انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے سنا انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص

نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ اس قوم میں سے ہوگیا"

امام ابن تیمیہ نے اس حدیث کے رجال کے متعلق لکھا ہے:

"ابن ابی شیبہ، ابوالنضر، حسان بن عطیہ بخاری ومسلم کے ان مشاہیر اور اجلہ رواۃ میں سے ہیں کہ ان کی ثقہ عدالت ہرگز اس قول کی محتاج نہیں کہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہیں بلکہ صحیحین کے رجال کی جماعت اس لیے ایک سنہری لڑی ہے کہ ان جیسے ثقہ حضرات اس زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ عبدالرحمان بن ثابت ان رواۃ میں سے ہیں کہ یحییٰ بن معین، ابوزرعہ اور احمد بن عبدالرشید جیسے ائمہ جرح و تعدیل نے ان کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ لیس بہ باس (ان کے بارے میں کوئی جرح و خلجان نہیں ہے) اور عبدالرحمان بن ابراہیم نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے۔ ابوحاتم جیسے امام نے فرمایا کہ وہ مستقیم الحدیث ہے۔ ابومنیب جرشی بھی ان صدوق رُواۃ میں سے ہیں جن کے متعلق احمد بن عبداللہ الجعفی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں، میں نہیں جانتا کہ کسی نے بُرائی سے ان کا ذکر کیا ہو۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ حسان اور ابومنیب میں انقطاع ہے اور سماع ثابت نہیں۔ حسان بن عطیہ کا ابی منیب سے سماع ثابت ہے اور امام احمد وغیرہ نے اس حدیث کو حجت سمجھا اور اس سے احتجاج کیا ہے"۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۹)

اس حدیث کو اور بھی بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے مثلاً طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں عبداللہ بن عمرؓ سے اور بزار نے حذیفہؓ و ابوہریرہؓ سے۔ ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں انسؓ سے اور حاکم نے مستدرک میں ابن عمر سے۔

تشبہ شبہ سے ماخوذ ہے اور شبہ کے معنی ہیں دو چیزوں کا آپس میں ایسا ملتبس ہوجانا کہ کوئی بھی اپنے اصلی وجود کو نمایاں نہ رکھ سکے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کے کچھ امتیازی نشانات یا خصائص ہوں اور ان میں سے ایک اپنے امتیازات چھوڑ کر دوسرے کے امتیازات اپنا لے۔ ان امتیازی خصائص کو شریعت کی اصطلاح میں شعائر اور سوشیالوجی کی اصطلاح میں " ETHOS " کہا جاتا ہے۔ کوئی قوم یا سوسائٹی اس وقت تک قوم یا سوسائٹی نہیں کہلا سکتی جب تک کہ وہ مخصوص و مستقل شعائر " ETHOS " کی حامل نہ ہو اور شعائر کی پائیداری و استقلال ہی ایک مذہب و ملت کے پائیدار اور مستقل ہونے کی ضمانت ہے ورنہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے اسی حکمت کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری انسانی زندگی میں مسلمانوں کو دیگر مذاہب و اقوام کے لوگوں سے ممتاز کر دیا حتیٰ کہ کفار یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ ما یدع ھذا الرجل شیئاً

الا خالفنا فیہ " یہ شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی چیز بھی ایسی چھوڑنا نہیں چاہتے کہ اس میں ہمارا خلاف نہ کرے "۔ اور مسلمان اس قابل ہو گئے کہ معاش و معاد کے ہر شعبہ میں جمیع کفار کے شعائر سے ممتاز و مختلف شعائر اختیار کر سکیں اور اللہ کے اس حکم کی تعمیل کر سکیں کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا " اے ایمان والو تم کفار کی مثل ہرگز نہ ہونا "۔ اس آیت میں کافروں کی مماثلت و تشبیہ سے روکا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ کفر نہ کرو یا کافر نہ ہو بلکہ کافروں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے سے روکا گیا ہے۔

اسلام کے علاوہ ہر مذہب کی بنیاد کفر پر ہے اور ہر کفر کے اپنے امتیازی شعائر ہیں۔ اسلام دوسرے مذاہب کو دعوت دینے کی اہلیت صرف اس صورت میں رکھ سکتا ہے اگر اس میں ہر کفر کے شعائر کے مقابلے میں اپنے مستقل اور لازوال شعائر قائم رکھنے کی ہمہ گیر صلاحیت موجود ہو تاکہ وہ دنیا کی ساری قومیتوں کو مٹا کر اپنے اندر جذب کرے اور سب کو اپنے ہی مخصوص رنگ میں رنگ دے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف معاد کی اصلاح کی بلکہ معاش اور تمدن کے بھی نمونے قائم فرمائے اور کوئی خلق و عمل، صورت و سیرت اور عادات و عبادت ایسی نہیں چھوڑی جس کے متعلق امت کو ہدایت کی روشنی نہ دی ہو۔

اسلام کے تمام شعبوں عادات، عبادات، حدود و کفارات، معاملات و سیاسیات، تدابیر تمدن، طرق تہذیب، سُبلِ اخلاق، آدابِ معاشرت، اصولِ طعام، قوانین خواب و بیداری اور تمام وہ کیفیات جو ایک انسان پر خلوت و جلوت، انفراد و اجتماع، نفسی و آفاقی، مادی و روحانی طور پر آسکتی ہیں، ان کے ہر ہر پہلو میں امتیازی خصائص برقرار رکھ سکنے کی شریعت میں صلاحیت موجود ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ہر عہد اور ہر سوسائٹی میں دیگر مذاہب و اقوام کے بالمقابل اپنے شعائر قائم کرنا عین ممکن اور قابل عمل ہے۔ ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسری اقوام سے ترکِ تشبّہ اور ان کے شعائر اختیار نہ کرنے کا حکم دینا بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

الاصل فی الاشیاء اباحۃ | یہ فقہ کا ایک مشہور کلیہ ہے کہ تمام اشیا بنیادی اور اصولی طور پر جائز ہیں اور جب تک کسی چیز کی حلت یا حرمت کے بارے میں کوئی خاص حکم شریعت میں موجود نہ ہو وہ مباح تصور کی جاتی ہے۔ قاضی شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں اس قاعدہ کی تائید میں آیت " ھو الذی خلق لکم ما

فی الارض جمیعاً سے استدلال بھی کیا ہے۔

وفیہ دلیل علی ان الاصل فی الاشیاء المخلوقۃ الاباحۃ حتی یقوم دلیل یدل علی النقل عن ھذا الاصل۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۶۰)

"اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بنیادی طور پر مباح ہیں اور اس اصول سے کسی چیز کو مستثنیٰ قرار دینے کے لیے دلیل درکار ہوگی۔"

مولانا محمد تقی امینی صاحب اس قاعدے کا سہارا لے کر دوسرے اباحیتین کی طرح اس بات کے مدعی ہیں کہ شریعت نے جس چیز کو ناجائز نہیں کیا وہ جائز ہی تصور ہوگی۔ یعنی جائز ہونے کے لیے شریعت سے دلیل طلب کرنا ضروری نہیں۔ حالانکہ جس طرح کسی امر کے ممنوع ہونے کے لیے دلیل شرعی درکار ہے اسی طرح اس کے جائز ہونے کے لیے بھی دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ اتنی بات تو اصول فقہ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جس طرح منفی افعال میں حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی وغیرہ مراتب قائم کرنے کے لیے دلیل شرعی ضروری ہوتی ہے اسی طرح مثبت افعال میں فرض، واجب، مستحسن اور مباح کے مراتب بھی دلیل شرعی کے مطابق قائم ہوتے ہیں۔

دراصل یہ لوگ افعال اور اشیاء میں امتیاز نہیں کر سکے اور انہوں نے دونوں کو باہم ملتبس کر دیا ہے۔ اشیاء میں تو اصل اباحت ہی ہے۔ کسی فعل سے متعلقہ اشیاء تمام کی تمام جائز متصور ہوں گی جب تک کہ شریعت اُن میں سے کسی کو مقید یا ناجائز نہ کر دے۔ مثلاً قربانی کا فعل سرانجام دینے کے لیے ہر مینڈھا جائز سمجھا جائے گا۔ سوائے اس کے جو ایک خاص عمر سے کم ہو وغیرہ وغیرہ۔ جس قدر آیات و احادیث سے اباحیین استدلال کرتے ہیں وہ تمام تر صرف اشیاء کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں، افعال کی اباحت پر نہیں۔ قاضی شوکانی نے بھی تصریح کی ہے کہ اس آیت میں اشیاء مخلوقہ کی اباحت واضح ہوتی ہے۔

جہاں تک افعال کا تعلق ہے اُس میں کسی فعل کو مباح کہنے کے لیے دلیل شرعی ضروری ہے۔ دلیل کے بغیر کسی فعل کے بارے میں کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اسی لیے فقہائے اصولیین متفق ہیں کہ افعال یا امور میں اصل حرمت ہے یا توقف نہ کہ اباحت۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حدیث بیان کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامور ثلاثۃ امر بیّن رشدہ فاتبعہ وامر بیّن غیّہ فاجتنبہ، وامر اختلف فیہ فوکلہ الی اللہ عز وجل (مشکوٰۃ ج ا ص ۳۱)

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کام تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ اس کا ہدایت ہونا واضح

ہو تو اس کی اتباع کرو اور دوسرا وہ کام ہے کہ اس کی گمراہی ظاہر ہو تو اس سے اجتناب کرو اور تیسرا وہ جس میں اشتباہ واقع ہو تو اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔"

علامہ طیبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وما لم یثبت حکمہ بالشرع فلا تقل فیہ شیئاً وفوّض امرہٗ الی اللہ "جس چیز کا حکم شرع سے ثابت نہ ہو اس میں تم کچھ بھی نہ کہو اور اس کو تم اللہ کے سپرد کر دو۔"

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس کی تشریح کرتے ہیں:۔

پس بسپارہ اورا بخدا و توقف کن درآں۔ "اس کو خدا کے حوالہ کر دو اور اس کے بارے میں کوئی رائے نہ دو۔"

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کچھ اُمور ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں شریعت کا حکم موجود نہیں ہے۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ایک انسان کے لیے ہو سکتا ہے کہ کسی وقت وہ شریعت کا حکم واضح طور پر نہ جانتا ہو تو اُس کو اس وقت تک رائے زنی نہیں کرنی چاہیے جب تک اس پر اس بات کا حکم صحیح طور پر واضح نہ ہو جائے۔

حضرت ابو ثعلبہ الخشنیؓ کی روایت کو بھی اباحیین بڑے شد و مد سے بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے تمام طُرق اگر سامنے رکھے جائیں تو وہ بھی اشیاء سے متعلق ہے نہ کہ افعال و امور کے متعلق۔ حافظ ابن رجب نے جامع العلوم والحکم میں الحدیث الثلاثون کے تحت اس کے جملہ طرق جمع کر دیے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدوداً فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا حدیث حسن رواہ الدارقطنی وغیرہ۔ ھذا الحدیث من روایۃ مکحول عن ابی ثعلبۃ الخشنی ولہ علتان احدھما ان مکحولاً لم یصح سماع لہ عن ابی ثعلبۃ کذلک قال ابو شھر الدمشقی وابو نعیم الحافظ وغیرھما والثانیۃ انہ اختلف فی رفعہ ووقفہ علی ابی ثعلبۃ وقد روی معنی ھذا الحدیث مرفوعاً من وجوہ اخر۔ (جامع العلوم والحکم ص ۱۹۸)

"اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض متعین کیے ہیں ان کو ضائع نہ کرو اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کیے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں (اشیاء نہ کہ افعال) سے اللہ تعالیٰ

نے بغیر نسیان کے خاموشی اختیار کی ہے ان سے بحث نہ کرو۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اسے دارقطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں دو نقائص بھی ہیں ایک یہ کہ مکحول کا ابو ثعلبہ سے سماع ثابت نہیں ہے جیسا کہ ابو شہر دمشقی اور حافظ ابونعیم وغیرہ نے کہا ہے۔ دوسرے اس کے مرفوع اور ابوثعلبہ پر موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ البتہ اس حدیث کا مفہوم دوسرے طریقوں سے مرفوعاً بھی روایت ہوا ہے۔"

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:۔

وقوله فلا تبحثوا عنها يحتمل اختصاص هذا النهى بزمن النبى صلى الله عليه وسلم لان كثرت البحث والسوال عن مالم يذكر قد يكون سببًا لنزول التشديد فيه بايجاب اوتحريم وحديث سعد بن ابى وقاص يدل على هذا۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ ایسی چیزوں (مسکوت عنہا) کے بارے میں بحث نہ کرو زمانۂ نبوی سے مخصوص ہے کیونکہ بحث و سوال کی کثرت دین میں سختی کا سبب بن سکتی تھی کہ اس طرح کئی باتیں حرام یا واجب ہوجاتی ہیں اور سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث اس کی دلیل ہے"۔ (ایضاً صفحہ ۲۰۵)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

ومما يدخل فى النهى عن التعمق والبحث عنه امور الغيب الجبرية التى امرنا بالايمان بها ولم يبين كيفيتها۔ وبعضها قد لايكون له شاهد فى هذا العالم المحسوس فالبحث عن كيفية ذلك هو مما لا يعنى وهو مما ينهى عنه وقد يوجب الحيرت والشك ويرتقى الى التكذيب۔ (ايضاً ص ۲۰۵)

" اور جن پر بحث و تمحیص سے منع کیا گیا ہے ان میں وہ باتیں بھی شامل ہیں جو امور الغیب سے تعلق رکھتی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے مگر ان کی کیفیت بیان نہیں کی گئی کیوں کہ اس محسوسات کے عالم میں ان کی نظیر نہ ہونے کی وجہ سے ان پر بحث بے معنی ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح آدمی حیرت اور شک میں مبتلا ہوجاتا ہے اور نوبت انکار تک پہنچ جاتی ہے۔"

اصول فقہ اور فقہ کی کتابوں پر نظر ڈالنے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ افعال میں اصل حرمت یا توقف (خاموشی) ہے نہ کہ اباحت۔ بعض مصنفین نے افعال کی جگہ اشیاء اور امور کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں لیکن سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں ان کی مراد افعال ہے وہاں وہ اصل حرمت یا توقف ہی کے

قائل ہیں۔ امام علاؤ الدین الحصکفی لکھتے ہیں:۔

علی ما ھو المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف۔ (در مختار ج ۱ ص ۲۰) یعنی صحیح مسلک یہی ہے کہ اشیاء میں اصل توقف ہے۔ طوالع الانوار میں در مختار کے اس مقالے کی یوں تشریح کی گئی ہے:۔

علی ما ھو المنصور ای المؤید بالادلۃ القویۃ من ان الاصل فی الاشیاء التوقف فلا یعرف اباحۃ المباح الا بقولہ وفعلہ علیہ الصلاۃ والسلام۔

"جس مسلک کی تائید قوی دلائل سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے۔ مباح کی اباحت بھی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے سوا معلوم نہیں ہو سکتی۔"

طحطاوی نے شرح در مختار میں بھی اس موقع پر یہی لکھا ہے۔ اور تعلیقات شرح منار میں ہے:۔

قال اصحابنا الاصل فیھا التوقف ھذا اصح شئ عندی فی ھذا الباب لان التوقف اصل التقوٰی فی الامر المسکوت عنہ وھو مذھب ابی بکر وعمر وعثمان واشباھھم من الصحابۃ والصحیح ان الاصل فی الافعال التحریم وھو مذھب علیؓ وائمۃ اھل البیت ومذھب الکوفیین منھم ابو حنیفۃؒ۔

"ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ اشیاء میں اصل توقف ہے اور اس باب میں میرے نزدیک صحیح ترین قول یہی ہے کیونکہ جس چیز کے بارے میں شریعت کی طرف سے سکوت ہو اس میں توقف ہی اصل تقوٰی ہے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور ان جیسے دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ افعال میں اصل حرمت ہے اور یہی حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت اور اہل کوفہ کا مسلک ہے اور یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔"

شیخ احمد ملا جیون لکھتے ہیں:

ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کما ھو مذھب طائفۃ بخلاف الجمھور فان عندھم الاصل ھو الحرمۃ وعند الشافعیؒ الاصل ھو الحرمۃ فی کل حال (تفسیر احمدی ص ۶) "ایک گروہ کا مسلک ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ جمہور اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصل حرمت ہے اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ اصل بہر حال حرمت ہے۔"

ملا محب اللہ بہاری لکھتے ہیں:۔

الاباحة حکم شرعی لانه خطاب الشرع تخییراً (مسلم الثبوت ص ۴۵) "اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ اباحت شرع کا خطاب ہے جس میں کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔"

امام غزالی لکھتے ہیں:۔

وحد المباح انه الذی ورد الاذن من الله تعالیٰ بفعله وترکه۔ (المستصفی ج ۱ ص ۶۶) "مباح کی تعریف یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کرنے اور چھوڑنے کا اذن دیا گیا ہو۔"

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

ان عبارات سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ کسی امر کی اباحت بھی ایک شرعی حکم ہے اور وہ کتاب و سنت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ یہ مسلک کہ اباحت ویسے ہی فرض کر لینے میں انسان آزاد ہے اور اس میں کسی دلیل شرعی کی حاجت و ضرورت نہیں ایک مختصر گروہ کا خیال ہے۔ جمہور اس کے خلاف ہیں اور امام حصکفی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے:

الصحیح من مذهب اهل السنة ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة رای المعتزلة

"اہل سنت و جماعت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف ہے اور اباحت کا قول معتزلہ کی رائے ہے۔"

اور جن محققین نے اس بارے میں اختلاف بھی کیا ہے وہ اختلاف بھی شریعت کے ورود سے قبل کے متعلق ہے کیونکہ شریعت کے نازل ہونے کے بعد اس اختلاف کی گنجائش ہی نہیں کہ اصل اباحت ہے یا حرمت! کیونکہ شریعت کاملہ نے ہر معاملہ کی حدود و قیود متعین کر دی ہیں اور خود بینی و آزادہ روی کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے۔

علامہ عبدالعلی بحر العلوم میں فرماتے ہیں

یظهر من تتبع کلامهم ان الخلاف قبل ورود الشرع ...... فاذاً لیس الخلاف الا فی زمان الفترة التی اندرست فیه الشریعة بتقصیر من قبلهم وحاصله ان الذین جاءوا بعد اندراس الشریعة وجهل الاحکام فاما جهلهم هذا یکون عذراً فیعامل

مع الافعال کلھا معاملة المباح اعنی لا یواخذ بالفعل ولا بالترک کما فی المباح وذھب الیہ اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ الی ان قال وانما ھذا ای القول بالاباحۃ الاصلیۃ بناء علی زمان الفترۃ قبل شرعنا یعنی اذ لا اباحۃ حقیقۃ بل بمعنی نفی الحرج ولعل المراد من الافعال ما عدا الکفر ونحوہ فان حرمتہا فی کل شرع بین ظھور اً تاماً۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۱ ص ۴۹)۔

"اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ اختلاف زمانۂ فترۃ (قبل از ورود شریعت) کے بارے میں ہے جس میں پہلے لوگوں کی کوتاہی کی وجہ سے شریعت مٹ چکی تھی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ جو شریعت کے مٹ جانے کے بعد آئے اور احکام سے ان کو واقفیت نہ رہی تو ان کا جہل عذر تصور ہوگا اور سب افعال کے ساتھ مباح کا معاملہ کیا جائے گا یعنی نہ فعل پہ ان کا مواخذہ ہوگا اور نہ ترک پر جیسا کہ مباح کا حکم ہے، اور یہی اکثر حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک ہے۔ اور یہ بات یعنی اباحت اصلیہ کا قول ہماری شریعت سے قبل زمانۂ فترۃ پر محمول ہے اور اباحت بھی بایں معنی کہ حرج کوئی نہ ہوگا اور شاید کہ مراد افعال سے کفر وغیرہ ہے، کیونکہ کفر وغیرہ کی حرمت ہر ایک شریعت میں واضح اور غیر مبہم طور پہ بیان کی گئی ہے"۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ نفوس میں اصل خطر ہے اور اموال میں اصل اباحت ہے۔ حالانکہ جس طرح اللہ نے ایک مومن سے جنت کے عوض اس کے اموال خرید لیے ہیں اسی طرح نفوس بھی خرید لیے ہیں: ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (اللہ نے مومنین سے جنت کے عوض ان کے نفوس اور اموال خرید لیے ہیں)۔ اپنی جان اور مال اللہ کے ہاتھ بیچ دینے کے بعد مومنین کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنی جان اور مال میں اللہ کی مرضی کے مطابق تصرف کرے نہ کہ اپنی مرضی سے۔

اس موضوع پر بھی امام ابن تیمیہ کی بات حرف آخر ہے کہ اصل اباحت ہے یا حرمت۔ جب کتاب و سنت کی موجودگی میں ایک کامل شریعت اور جامع ہدایت موجود ہو تو یہ کہنا کہ اصل حرمت ہے یا اباحت بالکل فضول ہو جاتا ہے۔ اصل کتاب و سنت ہے باقی سب گمراہی ہے۔ ان کے قول پر ہی ہم اس فصل کا خاتمہ کرتے ہیں:۔

ولکن الدلیل الجامع ھو الاعتصام بالکتاب والسنۃ فان اللہ عز وجل بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وقد قال تعالی الیوم

اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا وقال تعالیٰ ان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله ۔ قال عبد اللہ بن مسعودؓ خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خطاً وخط خطوطاً عن یمینه وشماله ثم قال هذا سبیل الله وهذا سبل علی کل سبیل منها شیطان یدعوا الیه ثم قرأ (وان هذا صراطی مستقیما) ۔ (الرسالة فی السماع والرقص ص ۱۲۴)

" لیکن دلیل جامع اعتصام بالکتاب والسنۃ ہے کیونکہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ دوسرے تمام ادیان پر غالب آجائیں اور اللہ نے کہا کہ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا اور پھر کہا کہ یہ میرا راستہ ہی سیدھا ہے اس پر چلو اس کے علاوہ اور کوئی راستہ اختیار نہ کرو ایسا کرنا تمہیں اصل رستہ سے ہٹا دے گا۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ہمیں سمجھانے کے لیے ایک لکیر کھینچی اور پھر اس کی دائیں اور بائیں جانب لکیریں کھینچیں پھر فرمایا یہ اللہ کا رستہ ہے اور باقی تمام رستے شیطان کے ہیں جن کی جانب وہ بلاتا ہے پھر یہ آیت پڑھی (وان هذا صراطی مستقیما)"۔